

اُردو

حصہ انشائیہ

سوال نمبر 1

سبق کا عنوان: اور کوٹ
مصنف کا نام: غلام عباس

خلاصہ:

جنوری کا مہینہ، بھیت کی ایک سرد شعا کو ایک خوش بوٹ، جو خیال، زلف دل، بہ فکر نوجوان ڈیوس روڈ سے مال روڈ پر آیا اور جیوننگ کراس کی طرف بڑھی۔ پیرٹل ٹیل کر چبہ اٹھا۔ اپنی ترانہ خراش اور صانع قطع سے یہ نوجوان فیشن ایبل، صانع داب، لکھا رکھا، متوسط طبقہ کے خوش حال گھرانے کا ایک فر لڈ تھا۔ شروع زیادہ تھی اسی لیے اس نے بادامی رنگ کا اور کوٹ پہن رکھا تھا جس کے گاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک ادبہ کھل بھول لگا تھا، گلے میں الیٹھ کا گلوبند، سر پر سنبر سمیٹ خاض انداز سے ٹیڑھا رکھا ہوا تھا۔ بید کی ایک جھوٹی چھتری ہاتھ میں جبے کھلی تھی وہ گھماتا تھا۔ اس کے ظاہری حلیے، شکل و صورت اور ڈھال سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ تانگے والے اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکتے کہ شاید اسے سواری کی ضرورت ہو مگر وہ جھوٹی کے اشارے سے "نہیں" کہہ دیا تھا۔ ایک ٹیکسی کو جو اس کے بچے لگی اس نے "نو ٹھینک ہو" کہہ کر ٹال دیا۔ مال روڈ کے بارونٹی حصے تک پہنچے لیکن اس کی زلف دکی اور جو خیال میں اضافہ ہو گیا۔ کبھی وہ سر مستی کرتا گویا کرکٹ کا مینیج ہو رہا تھا۔ لانس کارڈن کی سڑک کے اندھیرے نے تاریکی اٹھو اداسی کی وجہ سے وہ اس طرف، گد نہ مٹا، بلکہ سیدھا چیزنگ کراس

اسمبلی ہال کے سامنے گھاس کے قطعے پیر اٹھریزوں بچوں کو
 کھیلنے دیکھ کر وہ کچھ دنگا اور بچوں کے دینے جانے کے بعد خالی
 بسینچ پیر بیٹھ گیا۔ شام کے پڑھتے اندھیرے کے ساتھ سسری کی
 شہرت بھی بھی بڑھ گئی۔ اس نے پان بیچنے والے ایک بڑے سے
 سگریٹ لیا اور آہستہ آہستہ سگریٹ کے کش لگا لیا۔ ٹھوکی پیر
 پوہنی نستان کے بعد وہ اچھے گھٹرا ہوا اور ایک دفعہ ہیر مال روڑ کی
 شہری پیر بے کی طرح مشرگشت - گزرتے لگا۔ ایک بیٹل میں آرٹسٹ
 جج لیا تھا۔ بیٹل کے بالبر بیٹ سے مفلوک اکال لوگ حسرت سے
 اندر دیکھ کر رہے تھے وہ نوجوان بھی جند بکے دگا اور پھر آگے
 لڑھک گیا۔ راستے میں وہ ایک بک سٹال اور قالین فروش کے
 پاس دگا۔ شام سے اب تک کوئی جیرا اسے اپنی طرف متوجہ نہ
 نہیں کر سکتا۔ اب وہ بائی کورٹ کے سامنے سسری عبور کر رہا تھا
 کہ پیچھے سے ایک اینٹوں سے بھری تین رفتار لائی آئی اور اسے
 ٹکیتے ہوئے ٹکلی گئی۔ رات کی تاریکی سے غافلہ اٹھا کر ڈالٹور
 لائی بھاگے لیا۔ نوجوان سسری زخمی حالت میں تیرتے لگا۔
 لوگ جمع ہو گئے اور سسری پر گزرنے والے ایک ٹریفک انسپکٹر کی
 مدد سے نوجوان کو ایک گار میں ڈال کر صوبہ اسپتال بھیجا دیا گیا۔
 ابھی اس میں اس وقت ہرجان باقی تھی۔ اسے سسری پر ڈال کر
 آپسریشن روم لے گئے جہاں ایک ڈاکٹر مسٹر نان اور دو نرسز
 مس سٹیناز اور مس گل موجود تھیں۔ سر میں لگائے گئے تیل کی
 خوشبو ابھی تک باقی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں سری طرح کھلی
 گئے تھیں اور خون بھری مقدار میں بہ رہا تھا۔ آپسریشن روم میں
 جب اس کا لباس اتارا جا رہا تھا جو یہی گلوبند اترا، نرسز حیلان
 لیوٹش کیونکہ نوجوان قہقہے سے عموماً تھا۔ اوپر کورٹ کے نیچے
 ایک کھٹا پیرانا نسوٹر اور خستہ دال بنیان تھی۔ تیلون بھی انتہائی
 بڑائی اور بھٹی ہوئی تھی کہ نوجوان کی مٹی ایڑیاں دکھا کر
 رہی تھی۔ نوجوان دم توڑ رہا تھا۔ نوجوان کی جیسوں سے کندھا
 ادمال، ادھما سگریٹ ڈالٹری اور اشتہار پر آمد ہوئے۔ افسوس
 کہ بید کی چھتری جو دارے میں گم ہو گئی تھی، اس فہرست میں
 شامل نہ تھی۔

سوال نمبر 2

دو طالب علموں کے درمیان استاد کے احترام

کے بارے میں مقالہ

(احمد اور احسن) دو دوست ہیں اور ایک ہی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ تفریح کا وقت ہے اور دونوں دوست ایک ساتھ بیٹھ کر کھا رہے ہیں۔

احمد: یار تم نے دیکھا، کسے استاد صاحب نے مجھے دانٹا صرف ایک غلط جواب میں؟

احسن: ہاں! میں نے دیکھا مگر کوئی بات نہیں ایسا بوتا رہتا ہے۔ اس بات کو دل پہ نہ لو۔

احمد: ایسے کیسے دانہ دلوں۔ غلط بات ہے!

احسن: ہاں ٹھیک ہے مگر اب تم ان سے کیا کہہ سکتے ہو؟ ویسے بھی اساتذہ کرام کا احترام کرنا چاہیے۔

احمد: ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اب استاد صاحب ہی ایسا کریں گے تو؟

احسن: دیکھو وہ ہمارے ساتھ جیسا بھی کریں مگر ہم ان سے بدتمیزی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ اساتذہ ہمارے روحانی والدین جیسے ہیں۔

احمد: ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر...

احسن: دیکھو ہمیں تعلیم مہیا کرتے ہیں جس سے صرف ہمارا ہی فائدہ ہوتا ہے۔ تو اگر وہ غلطی سے بھی ہمیں غصے سے بول دیں تو ہمیں اس کا بدلہ مطلب نہیں ملنا چاہیے۔

احمد: جیسے کہ؟

احسن: جیسے کہ وہ ہر صبح صرف اس لیے اٹھتے ہیں تاکہ ہم زندگی میں کامیاب ہو سکیں اور ہمیں دنیا ملے۔

معلومات کا ہمیں انظارِ لبو سکے۔

احمد: ہاں! بس یہ ہی ہے اور تو کچھ نہیں ہے۔

احسن: کیوں نہیں ہے؟ اور بہت کچھ ہے۔ جیسے وہ ہمیں صرف کتابی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اٹکا اٹکا رویہ اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بھی بتاتے ہیں۔ کسی مفکر

کا قول ہے،
"اگر آپ کو کوئی ایسا شخص ملے جو آپ کی زندگی کو
بیل دے تو اس کا نانا استاد ہے۔"

احمد: ہاں تم تو بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مگر ایک طالب علم اپنے
استاد کا احتیال کیسے کرے؟

احسن: یہ تو بہت آسان ہے۔ ان سے شناسائی اور نرمی سے
بات کرنی چاہیے۔ ان کی باتوں کو غور سے سنا جائیے۔
ان کی جماعت میں ہر سرگرمی میں حصہ لینا چاہیے۔
اور ان کی جماعت کے دوران کوئی بھی خلل نہیں پیدا
کرنی چاہیے۔

احمد: مگر میل ایک سوال ہے۔

احسن: ہاں بوجھو۔

احمد: اس سب سے انسان کو کیا ملے گا؟

احسن: اس سب سے انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ
سماجی زندگی میں بھی اثرات آتے ہیں۔ انسان وقت
کی پابندی، سائنسنگ سے بول چال کی وجہ سے اس کی زندگی
میں نظم و ضبط آتا ہے۔ جو کہ اس کے مستقبل کے لیے ہی
بہتر ہے۔

احمد: دوست تم نے تو آج مجھے بہت سی باتیں سیکھا ئی ہیں۔

احسن: ارے! ایسی کوئی بات نہیں ہے تو میل فرض تھا۔ مگر مجھے

اب امید ہے کہ تم ان باتوں پر عمل ضرور کرو گے۔

احمد: ہاں ہاں! میں ضرور ان پر عمل کروں گا۔

احسن: بہت اچھی بات ہے ویسے بھی کسی شاعر نے ارشاد فرمایا:

لو استاد کی تعلیم سے ہی زندگی کی راہیں کھلتی ہیں
ورنہ تاریکیوں میں ہم بہت دیر تک بھٹکتے رہتے